

# تفہیم القرآن

## النمل

(۳)

۵۷ اور خود کی طرف ہم نے اُن کے بھائی صالح کو دیا یہ پیغام دے کر، بھیجا کہ اللہ کی بندگی کرو، تو کیا ایک وہ دو تنہا صم فریق بن گئے۔ صالح نے کہا: اے میری قوم کے لوگو، بھلائی سے پہلے برائی کے مقابل کیسے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد دوم صفحات ۲۴ تا ۵۰۔ ۲۴۹ تا ۲۵۲۔ اشعار رکوع ۸۔

۵۸ انقر رکوع ۲۔ الشمس آیات ۱۱-۱۵۔

۵۸ یعنی جو نبی کہ حضرت صالح کی دعوت کا آغاز بنا، ان کی قوم دو گروہوں میں بٹ گئی۔ ایک گروہ ایمان لانے والوں کا، دوسرا گروہ انکار کرنے والوں کا۔ اور اس تفرقہ کے ساتھ ہی ان کے درمیان کشمکش شروع ہو گئی جیسا کہ قرآن مجید میں دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے: قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ تَوْمِهِمُ الَّذِينَ اسْتَضَعُوا مِنَ الْاٰمِنِ قَوْمِهِمْ لَقَلُوْنَ اَنْ يَّصِلِحَا مَرْسَلٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ، قَالُوا اِنَّا بِنَا اَرْسِلَ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ، قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا اِنَّا بِالَّذِيْ اٰمَنْتُمْ بِهِ كَا فِرُوْنَ، اس کی قوم میں سے جو سردار اپنی بڑائی کا گھنٹہ رکھتے تھے انہوں نے اُن لوگوں سے جو کمزور بنا کر رکھے گئے تھے، جو ان میں سے ایمان لائے تھے، کہا، کیا واقعی تم یہ جانتے ہو کہ صالح اپنے رب کی طرف سے بھیجا گیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہم اس چیز پر ایمان رکھتے ہیں جس کو کبیرہ بھیجے گئے ہیں۔ ان تکبرین نے کہا جس چیز پر ایمان لائے ہو اس کے ہم کافر ہیں (الاعراف، رکوع ۱۰)۔ یاد رہے کہ ٹھیک ہی صورت حال محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ مکہ میں بھی پیدا ہوئی تھی کہ قوم دو حصوں میں بٹ گئی اور اس کے ساتھ ہی ان لوگوں کے دہروں میں کشمکش شروع ہو گئی۔ اس لیے یہ قصہ آپ کے آپ ان حالات پر چسپاں ہو رہا تھا جن میں یہ آیات نازل ہوئیں۔



نیک و بد شکون کا سرشتہ تو اللہ کے پاس ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ تم لوگوں کی آزمائش ہو رہی ہے۔ اس شہر میں تو جتنے دار جتنے جو ملک میں فساد پھیلاتے اور کوئی اصلاح کا کام نہ کرتے تھے انہوں نے آپس میں کہا خدا کی قسم کھا کر عہد کر لو کہ ہم صالح اور اس کے گھر والوں پر شیخون ماریں گے اور پھر اس کے ولی سے کہہ دیجئے کہ ہم اس کے خاندان کی ہلاکت کے موقع پر موجود نہ تھے ہم بالکل سچ کہتے ہیں۔ یہ کی دعوت سے متاثر نہ ہو جائیں تو انہوں نے باہم مشورہ کرنے کے بعد یہی طے کیا کہ قبائل عرب کے کہا جائے: یہ شخص جاوہر ہے، اس کے جاوہر کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بیٹا باپ سے، بھائی بھائی سے، بیوی شوہر سے اور آدمی اپنے سارے خاندان سے کٹ جاتا ہے۔ (ابن ہشام، ص ۲۸۹)

یعنی بات وہ نہیں ہے جو تم نے سمجھ رکھی ہے۔ اصل معاملہ سے اب تک تم نہیں سمجھے ہو یہ ہے کہ میرے آنے سے تمہارا امتحان شروع ہو گیا ہے جب تک میں نہ آیا تھا تم اپنی جہالت میں ایک ڈگر پر چلے جا رہے تھے حق اور باطل کا کوئی کھلا اندیاز سامنے نہ تھا کھرے اور کھرے کی پرکھ کا کوئی معیار نہ تھا۔ بدتر سے بدتر لوگ اونچے ہو رہے تھے اور اچھی سے اچھی صلاحیتوں کے لوگ خاک میں ملے جا رہے تھے۔ مگر اب ایک کسوٹی اگنی ہے جس پر تم سب جانچے اور پرکھے جاؤ گے۔ اب بیچ میدان میں ایک ترانہ رکھ دیا گیا ہے جو ہر ایک کو اس کے ذہن کے لحاظ تو لے گا۔ اب حق اور باطل آمنے سامنے موجود ہیں جو حق کو قبول کر لگاؤ بھاری آریگا خواہ آج تک اس کی کوڑی مگر بھی قیمت نہ رہی ہو۔ اور جو باطل پر چمے گا اس کا ذہن رتی بھر بھی نہ رہے گا چاہے وہ آج تک امیرالامراہی بنا رہا ہو۔ اب فیصلہ اس پر نہیں ہو گا کہ کون کس خاندان کا ہے، اور کس کے ذرائع و وسائل کتنے ہیں، اور کون کتنا زور رکھتا ہے، بلکہ اس پر ہو گا کہ کون سیدھی طرح صداقت کو قبول کرتا ہے اور کون جھوٹ کے ساتھ اپنی قسمت وابستہ کر دیتا ہے۔

۹۔ سرواں قبائل جن میں سے ہر ایک اپنے ساتھ ایک بڑا تجھ رکھتا تھا۔

۱۰۔ یعنی حضرت صالح علیہ السلام کے قبیلے کے سردار سے، جس کو قدیم قبائل اسمی رسم و راج کے مطابق ان کے خون کے دوسے کا حق پہنچتا تھا۔ یہ وہی پوریشین تھی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آپ کے چچا ابوہاشم کو حاصل تھی۔ کفار قریش میں اسی اندیشے سے ہاتھ رکھتے تھے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیں گے تو ارباب خون کا دعویٰ ملے کر انھیں ملے۔

چال تو وہ چلے اور پھر ایک چال ہم نے چلی جس کی انہیں خبر نہ تھی۔ اب دیکھ لو کہ ان کی چال کا انجام کیا ہوا۔ ہم نے تباہ کر کے رکھ دیا ان کو اور ان کی پوری قوم کو۔ وہ ان کے گھر خالی پڑے ہیں اُس ظلم کی پاداش میں جو وہ کرتے تھے، اس میں ایک نشانِ عبرت ہے ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔ اور نہ چالیا

۶۴ یہ بعینہ اسی نوعیت کی سازش تھی جیسی مکہ کے قبائلی سردار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سوچتے دیتے تھے، اور بالآخر یہی سازش انہوں نے ہجرت کے موقع پر حضور کو قتل کرنے کے لیے کی یعنی یہ کہ سب قبیلوں کے لوگ مل کر آپ پر حملہ کریں تاکہ نبی ہاشم کسی ایک قبیلے کو ملزم نہ ٹھہرا سکیں اور سب قبیلوں سے بیک وقت لڑنا ان کے لیے ممکن نہ ہو۔

۶۵ یعنی قبل اس کے کہ وہ اپنے طے شدہ وقت پر حضرت صالح کے ہاں شہنوں مارتے، اللہ تعالیٰ نے اپنا عذاب بھیج دیا اور نہ صرف وہ بلکہ ان کی پوری قوم تباہ ہو گئی معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ سازش ان لوگوں نے اوٹھنی کی کہ جس کاٹنے کے بعد کی تھی۔ سو وہ ہر وہیں ذکر آتا ہے کہ جب انہوں نے اوٹھنی کو مار ڈالا تو حضرت صالح نے انہیں نوٹس دیا کہ بس اب تین دن فرسے کرو، اس کے بعد تم پر عذاب آجا گا *فَتَقَالَ مَتَّبِعُوا فِي دَارِكُمْ فَنُفِثَتْ آيَاتُهمُ فَذَٰلِكَ وَعَذَابُ غَيْرِ مَكْنُوعٍ*، اس پر شاید انہوں نے سوچا ہو گا کہ صالح کا عذاب موعود تو آئے چاہے نہ آئے، ہم گئے ہاتھوں اس کا بھی کام تمام کیوں نہ کریں۔ چنانچہ اغلب یہ ہے کہ انہوں نے شہنوں مارنے کے لیے وہی رات نجوہ کی ہو گی جس رات عذاب آنا تھا اور قبل اس کے کہ ان کا ہاتھ حضرت صالح پر پڑتا خدا کا زبردست ہاتھ ان پر پڑ گیا۔

۶۶ یعنی جاہلوں کا معاملہ تو دوسرا ہے۔ وہ لو کہیں گے کہ حضرت صالح اور ان کی اوٹھنی کے معاملہ آس زلزلے کا کوئی تعلق نہیں ہے جو فریم ٹمور دہرا آیا، یہ چیزیں تو اپنے طبعی اسباب سے آیا کرتی ہیں، ان کے آنے یا نہ آنے میں اس چیز کا کوئی دخل نہیں ہو سکتا کہ کن اس علاقے میں نیکو کار تھا اور کن بدکار اور کس نے کس پر ظلم کیا تھا اور کس نے رحم کیا تھا، یہ محض واعظانہ ڈھکے ریلے ہیں کہ نلانا شہر یا نلانا علاقہ فسق و فجور سے بھر گیا تھا اس لیے اس پر سیلاب آیا یا زلزلے نے اس کی بستیاں الٹ دیں یا کسی اور بلاتے ناگہانی نے اسے تل پٹ کر ڈالا۔ لیکن جو لوگ علم رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ کوئی اندھا بہر خدا اس کائنات پر حکومت

ہم نے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے تھے اور نافرمانی سے پرہیز کرتے تھے۔

اور لوگوں کو ہم نے بھیجا۔ یاد کرو وہ وقت جب اس نے اپنی قوم سے کہا "کیا تم آنکھوں دیکھتے بدکاری کرتے ہو؟ کیا تمہارا یہی حال ہے کہ عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس شہوت رانی کے لیے جاتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ سخت جہالت کا کام کرتے ہو" مگر اُس کی قوم کا جواب اس کے

نہیں کر رہا ہے بلکہ ایک حکیم و دانماہستی یہاں قسمتوں کے فیصلے کر رہی ہے۔ اس کے فیصلے طبعی اسباب کے غلام ہیں میں بلکہ طبعی اسباب اس کے ارادے کے غلام ہیں۔ اس کے ہاں قوموں کو گرانے اور اٹھانے کے فیصلے اندھاوند نہیں کیے جاتے بلکہ حکمت اور عدل کے ساتھ کیے جاتے ہیں اور ایک تانویں مکانات بھی اس کی تانیاں میں

میں شامل ہے جس کی رو سے اخلاقی بنیادوں پر اس دنیا میں بھی ظالم کیفر کر دیا کہ پہنچائے جاتے ہیں۔ ان حقیقتوں سے جو لوگ باخبر ہیں وہ اس زلزلے کو اسباب طبعی کا نتیجہ کہہ کر نہیں مائل سکتے۔ وہ اسے اپنے حق میں تنبیہ کا ٹوکرا نہیں گئے۔ وہ اس سے عبرت حاصل کریں گے۔ وہ اُن اخلاقی اسباب کو سمجھنے کی کوشش کریں گے جن کی بنا پر خالق نے اپنے پیدا کی ہوئی ایک چھٹی پھولتی قوم کو نارت کر کے رکھ دیا۔ وہ اپنے رویے کو اُس راہ سے ہٹانے کے خواہش مند تھے۔ وہ اس راہ پر آئیں گے جو اس کی رحمت سے پہنکار کرنے والی ہے۔

۱۰۰۰ تقابل کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد دوم صفحات ۵۱ تا ۵۳۔ ۲۵۹ تا ۲۵۱۱ تا ۵۱۵۔

الانبیاء رکوع ۵۔ الشعراء رکوع ۹۔ العنکبوت، رکوع ۳۔ ۴۔ الصافات، رکوع ۲۔ القمر رکوع ۲۔

۱۰۰۰ اس ارشاد کے کوئی مطلب ہو سکتے ہیں اور غالباً وہ سب ہی مراد ہیں۔ ایک یہ کہ تم اس فعل کے

مخس اور کاربہ ہونے سے ناواقف نہیں ہو، بلکہ جانتے ہو جیسے اس کا ارتکاب کرنے ہو۔ دوسرے یہ کہ تم اس بات سے بھی ناواقف نہیں ہو کہ مرد کی خواہش نفس کے لیے مرد نہیں پیدا کیا گیا ہے بلکہ عمدت پیدا کی گئی ہے، اور مرد و عورت کا فرق بھی ایسا نہیں ہے کہ تمہاری آنکھوں کو نظر نہ آتا ہو، مگر تم کھلی آنکھوں کے ساتھ

یہ جیتی کھتی نکلتے ہو۔ تیسرے یہ کہ تم علانیہ یہ بی جانی کا کام کرتے ہو جب کہ دیکھنے والی آنکھیں تمہیں دیکھ رہی ہوتی ہیں، جیسا کہ آگ سے عکبوت میں آ رہا ہے: وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمْ أَنْتُمْ وَأَنْتُمْ فِي مَجْلِسٍ مِنْكُمْ كَمَا كُنْتُمْ تَكُونُونَ ۱۰۰۰ جہالت کا لفظ یہاں حماقت اور سقاہت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اردو زبان میں بھی ہم کالی گلیچ

سوا کچھ نہ تھا کہ انہوں نے کہاں تکال دو لوٹ کے گھر والوں کو اپنی سستی سے، یہ بڑے پاک باز بنتے ہیں۔ آخر کار ہم نے بچایا اس کو اور اس کے گھر والوں کو، بجز اس کی بیوی کے جس کا پیچھے رہ جانا ہم نے طے کر دیا تھا، اور برساتی اُن لوگوں پر ایک برسات، بہت ہی بُری برسات تھی وہ اُن لوگوں کے حق میں جو تمہیں کیسے جاچکے تھے؟

۳۲  
 (اے نبی، کہو، محمد ہے اللہ کے لیے اور سلام اس کے ان بندوں پر جنہیں اس نے بزرگی کا دان سے پوچھا) اللہ بہتر ہے یا وہ معبود جنہیں یہ لوگ اس کا شریک بنا رہے ہیں؟ بھلا وہ کون سا

اور یہ وہ حرکات کرنے والے کو کہتے ہیں کہ وہ جہالت پر اتر آیا ہے۔ اسی معنی میں یہ لفظ عربی زبان میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے: **وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا** (الفرقان، رکوع ۶) لیکن اگر اس لفظ کو بے علمی ہی کے معنی میں لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ تم اپنی ان حرکات کے بڑے انجام کو نہیں جانتے تم یہ تو جانتے ہو کہ یہ ایک لذتِ نفس ہے جو تم حاصل کر رہے ہو۔ مگر تمہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ اس انتہائی مجرمانہ اور گھناؤنی لذتِ جسمی کا کیا سحت خمیازہ تمہیں عنقریب، یگتنا پڑیگا۔ خدا کا عذاب تم پر ٹوٹ پڑنے کے لیے تیار کھڑا ہے اور تم جو کہ انجام سے بے خبر اپنے اس گندے کھیل میں منہمک ہو۔

۳۳  
 یعنی پہلے ہی حضرت لوط کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ وہ اس عورت کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں کیونکہ اسے اپنی قوم کے ساتھ ہی تباہ ہونا ہے۔

۳۴  
 لکھ بہاں سے دو سرا خطبہ شروع ہوتا ہے اور یہ فقرہ اس کی تمہید ہے۔ اس تمہید سے یہ سبق نکلا گیا ہے کہ مسلمانوں کو اپنی تقریر کا آغاز کس طرح کرنا چاہیے۔ اسی بنا پر صحیح اسلامی ذہنیت رکھنے والے لوگ ہمیشہ سے اپنی تقریریں اللہ کی حمد اور اس کے نیک بندوں پر سلام سے شروع کرتے رہے ہیں۔ مگر اب اسے ملائیت سمجھا جانے لگا ہے اور موجودہ زمانے کے مسلمان مقررین اس سے کلام کی ابتدا کرنے کا قصور تک اپنے ذہن میں نہیں رکھتے۔ یا پھر اس میں شرم محسوس کرتے ہیں۔

۳۵  
 لکھ بظاہر یہ سوال بڑا عجیب معلوم ہوتا ہے کہ اللہ بہتر ہے یا یہ معبودانِ باطل۔ حقیقت کے اعتبار سے تو معبودانِ باطل میں سرے سے کسی خیر کا سوال ہی نہیں ہے کہ اللہ سبحانہ کا مقابلہ کیا جائے۔ یہ ہے مشرکین

جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارے لیے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعہ سے وہ خوشنما باغ اگائے جن کے درختوں کا اگانا تمہارے بس میں نہ تھا؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا خدا بھی دان کاموں میں شریک ہے؟ نہیں، بلکہ یہی لوگ راہ راست گمٹ کر پیچھے جا رہے ہیں۔ تو وہ بھی اس غلط فہمی میں مبتلا نہ تھے کہ اللہ کا اور ان معبودوں کا کوئی مقابلہ ہے لیکن یہ سوال ان کے سامنے اس لیے رکھا گیا کہ وہ اپنی غلطی پر متنبہ ہوں۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص دنیا میں کوئی کام بھی اس وقت تک نہیں کرتا جب تک وہ اپنے نزدیک اس میں کسی بھلائی یا فائدے کا خیال نہ رکھتا ہو۔ اب اگر یہ شرک لوگ اللہ کی عبادت کے بجائے ان معبودوں کی عبادت کرتے تھے، اور اللہ کو چھوڑ کر ان سے اپنی حاجتیں طلب کرتے اور ان کے آگے نذر و نیاز پیش کرتے تھے، تو یہ اس کے بغیر بالکل بے معنی تھا کہ ان معبودوں میں کوئی تیر ہو۔ اسی بنا پر ان کے سامنے صاف الفاظ میں یہ سوال رکھا گیا کہ تبار اللہ بہتر ہے یا تمہارے یہ معبود؟ کیونکہ اس دو ٹوک سوال کا سامنا کرنے کی ان میں ہمت نہ تھی۔ ان میں سے کوئی کٹے سے کٹا مشرک بھی یہ کہنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا کہ ہمارے معبود بہتر ہیں۔ اور یہ مان لینے کے بعد کہ اللہ بہتر ہے، ان کے پورے دین کی بنیاد ڈھسے جاتی تھی، اس لیے کہ پھر یہ بات سرسرا سنا مغفول قرار پاتی تھی کہ بہتر کو چھوڑ کر بدتر کو اختیار کیا جائے۔

اس طرح قرآن نے تقریر کے پہلے ہی فقرے میں مخالفین کو بے بس کر دیا۔ اس کے بعد اب پے در پے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور تخلیق کے ایک ایک کرشمے کی طرف انگلی اٹھا کر پوچھا جاتا ہے کہ تبار وہ یہ کام کس کے ہیں؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا خدا بھی ان کاموں میں شریک ہے؟ اگر نہیں ہے تو پھر یہ دوسرے آخر کیا ہیں کہ انہیں تم نے معبود بنا رکھا ہے۔

روایات میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اس آیت کی تلاوت فرماتے تو فوراً اس کے جواب میں فرماتے ہیں اللہ خیر و ابقى و اجل و اکرہ، نہیں بلکہ اللہ ہی بہتر ہے اور وہی باقی رہنے والا اور بزرگ و بزر ہے۔

۳۷ مشرکوں میں سے کوئی بھی اس سوال کا یہ جواب نہ دے سکتا تھا کہ یہ کام اللہ کے سوا

اور وہ کون ہے جس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور اس کے اندر دریا رواں کئے اور

کسی اور کے میں، یا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی ان میں شریک ہے۔ قرآن مجید دوسرے مقامات پر کفار کلمہ اور مشرکین عرب کے متعلق کہتا ہے وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعِزَّةُ

الْعَلِيَّةُ ۗ اگہ تم ان سے پوچھو کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے تو وہ فرود کہیں گے اس

زبردست علم والے نے ہی ان کو پیدا کیا ہے (الزخرف۔ رکوع ۱) وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ

اللَّهُ ۗ اور اگر ان سے پوچھو کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے تو وہ فرود کہیں گے اللہ نے (الزخرف۔ رکوع ۲)

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْبَأَ بِهِ الْأَرْضَ بُعْدًا مَوْثِقًا لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۗ اور اگر ان سے

پوچھو کہ کس نے آسمان سے پانی برسایا اور مردہ پڑی ہرتی زمین کو جلا اٹھایا تو وہ فرود کہیں گے کہ اللہ نے ۗ

وَالْعِزَّةُ رَبُّكُمْ ۗ (۶) قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ... وَهِيَ يُدِيرُ الْأُمُورَ سَيَقُولُونَ اللَّهُ ۗ

ان سے پوچھو کہ تم کس آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ یہ سماعت اور مینائی کی توفیق کس کے اختیار

میں ہیں؟ کون جاننا کہ بے جان میں سے ادبے جان کو جاندار میں سے نکالتا ہے؟ کون اس نظامِ عام

کی تدبیر کر رہا ہے؟ وہ فرود کہیں گے کہ اللہ (یونس۔ رکوع ۴)۔ عرب کے مشرکین ہی نہیں، دنیا بھر کے

مشرکین بالعموم یہی مانتے تھے اور آج بھی مانتے ہیں کہ کائنات کا خالق اور نظام کائنات کا مدبر اللہ تعالیٰ

ہی ہے۔ اس لیے قرآن مجید کے اس سوال کا یہ جواب ان میں سے کوئی شخص ہٹ دھرمی کی بنا پر بڑے

بحث بھی نہ دے سکتا تھا کہ ہمارے معبود خدا کے ساتھ ان کاموں میں شریک ہیں، کیونکہ اگر وہ ایسا کہتا

تو اس کی اپنی ہی قوم کے ہزار ہا آدمی اس کو ٹھٹھلا دیتے اور صاف کہتے کہ ہمارا یہ عقیدہ نہیں ہے۔

اس سوال اور اس کے بعد کے سوالات میں صرف مشرکین ہی کے شرک کا ابطال نہیں ہے

بلکہ دہریوں کی دہریت کا ابطال بھی ہے۔ مثلاً اسی پہلے سوال میں پوچھا گیا ہے کہ یہ بارش برسانے

والا اولاس کے ذریعہ سے ہر طرح کی نباتات اگانے والا کون ہے؟ اب خود کیسے، زمین میں اس مواد کا

ٹھیک سطح پر یا سطح سے متصل موجود ہونا جو بے شمار مختلف اقسام کی نباتی زندگی کے لیے دیکار ہے

اور پانی کے اندر ٹھیک وہ اوصاف موجود ہونا جو حیوانی اور نباتی زندگی کی ضروریات کے مطابق ہیں، اور اس پانی



اس میں (پہاڑوں کی، میخیں گاڑ دین اور پانی کے دو ذخیروں کے درمیان پر دے کا پلے درپے سمندروں سے اٹھایا جانا اور زمین کے مختلف حصوں میں وقتاً فوقتاً ایک باقاعدگی کے ساتھ برسا جانا، اور زمین، ہوا، پانی اور درجہ حرارت وغیرہ مختلف قوتوں کے درمیان ایسا تناسب تعاون قائم کرنا کہ اس سے نباتی زندگی کو نشوونما نصیب ہو اور وہ ہر طرح کی حیوانی زندگی کے لیے اس کی بے شمار ضروریات پوری کرے، کیا یہ سب کچھ ایک حکیم کی منصوبہ بندی اور دانشمندانہ تدبیر اور غالب قدرت و ارادہ کے بغیر خود بخود اتفاقاً ہو سکتا ہے؟ اور کیا یہ ممکن ہے کہ یہ اتفاقی حادثہ مسلسل ہزار ہا برس بلکہ لاکھوں کروڑوں برس تک اسی باقاعدگی سے رونما ہوتا چلا جائے؟ صرف ایک مہٹ دھرم آدمی ہی، جو تعصب میں اندھا ہو چکا ہو، اسے ایک امر اتفاقی کہہ سکتا ہے کسی راستی پسند عاقل انسان کے لیے ایسا خود بخود کرنا اور ماننا ممکن نہیں ہے۔

۳۴ زمین کا اپنی بے حد حساب مختلف النوع آبادی کے لیے جانے قرار ہونا بھی کوئی سادہ سہی بات نہیں ہے۔ اس کو نہ خالی کر جن عجیبانہ مناسبتوں کے ساتھ قائم کیا گیا ہے، ان کی تفصیلات پر آدمی غور کرے تو اس کی عقل دنگ رہ جاتی ہے اور اسے محسوس ہوتا ہے کہ یہ مناسبتیں ایک حکیم و داناتا اور مطلق کی تدبیر کے بغیر قائم نہ ہو سکتی تھیں۔ یہ کہ فضلے بسط میں معنی ہے، کسی چیز پر ٹکا ہوا نہیں ہے، بلکہ اس کے باوجود اس میں کوئی اضطراب اور اتہزاز نہیں ہے۔ اگر اس میں ذرا سا بھی اتہزاز ہوتا جس کے خطرناک نتائج کا ہم کبھی نہ زلزلہ آجانے سے باسانی اندازہ لگا سکتے ہیں، تو یہاں کوئی آبادی ممکن نہ تھی۔ یہ کہہ باقاعدگی کے ساتھ سوچ کے سامنے آتا اور ٹھنڈا ہے جس سے رات اور دن کا اختلاف رونما ہوتا ہے، اگر اس کا ایک ہی نرخ نہ ہوت سوچ کے سامنے رہتا اور دوسرا نرخ ہر وقت چھپا رہتا تو یہاں کوئی آبادی ممکن نہ ہوتی۔ اس کوہ پر پانچ سو میل کی بلندی تک ہوا کا ایک کثیف پتہ چڑھا دیا گیا ہے جو شہابوں کی خوفناک بم باری سے اسے بچائے ہوئے ہے۔ ورنہ روزانہ دو کروڑ شہاب، جو ۳۰ میل فی سیکنڈ کی رفتار سے زمین کی طرف گرتے ہیں، یہاں وہ تباہی مچاتے کہ کوئی انسان، حیوان یا درخت جتنا نہ رہ سکتا تھا یہی ہوا درجہ حرارت کو تباہی میں رکھتی ہے، یہی سمندروں سے بادل اٹھاتی اور زمین کے مختلف حصوں تک آب رسانی کی خدمت انجام دیتی ہے اور یہی انسان اور حیوان اور نباتات کی زندگی کو مطلوبہ گھیس فراہم کرتی ہے۔ یہ نہ ہوتی تب بھی زمین کسی آبادی کے لیے جانے قرار

مائل کہ چشمہ آبیانہ کے ہر گوشہ کے ساتھ ایک ہلکا سا شیشہ رکھنا کہ اس سے اجڑی ہوئی ہوا کو دھونے سے

دور رکھ کر ہر گز سوجے اور اکل تھلے سمیٹا کر پانچ سو کلگرام کپا پٹی سے لپیٹ کر اس سے چھوٹے ہڈیوں سے

گھسی ہوئی میٹھی اور مٹھی سے ڈنگ کی طرح چھوٹی چھوٹی ہی برنگی برنگی پتھر پھینک کر جڑی بڑی سے

سوزنا کہ کہ ہونے کے لئے نہیں ہوتی اس کے ساتھ ساتھ سیاہی چھوٹے چھوٹے چھوٹے سے بڑی ہونے کے لئے

بھوننا کہ انہیں عظیم عظیم چیزوں میں کہ لپیٹ کر پانچ سو کلگرام کپا پٹی سے لپیٹ کر اس سے چھوٹے ہڈیوں سے

گھسی ہوئے کا چشمہ آبیانہ کے ہر گوشہ کے ساتھ ایک ہلکا سا شیشہ رکھنا کہ اس سے اجڑی ہوئی ہوا کو دھونے سے

دور رکھ کر ہر گز سوجے اور اکل تھلے سمیٹا کر پانچ سو کلگرام کپا پٹی سے لپیٹ کر اس سے چھوٹے ہڈیوں سے

گھسی ہوئی میٹھی اور مٹھی سے ڈنگ کی طرح چھوٹی چھوٹی ہی برنگی برنگی پتھر پھینک کر جڑی بڑی سے

سوزنا کہ کہ ہونے کے لئے نہیں ہوتی اس کے ساتھ ساتھ سیاہی چھوٹے چھوٹے چھوٹے سے بڑی ہونے کے لئے

بھوننا کہ انہیں عظیم عظیم چیزوں میں کہ لپیٹ کر پانچ سو کلگرام کپا پٹی سے لپیٹ کر اس سے چھوٹے ہڈیوں سے

گھسی ہوئے کا چشمہ آبیانہ کے ہر گوشہ کے ساتھ ایک ہلکا سا شیشہ رکھنا کہ اس سے اجڑی ہوئی ہوا کو دھونے سے

دور رکھ کر ہر گز سوجے اور اکل تھلے سمیٹا کر پانچ سو کلگرام کپا پٹی سے لپیٹ کر اس سے چھوٹے ہڈیوں سے

گھسی ہوئی میٹھی اور مٹھی سے ڈنگ کی طرح چھوٹی چھوٹی ہی برنگی برنگی پتھر پھینک کر جڑی بڑی سے

سوزنا کہ کہ ہونے کے لئے نہیں ہوتی اس کے ساتھ ساتھ سیاہی چھوٹے چھوٹے چھوٹے سے بڑی ہونے کے لئے

بھوننا کہ انہیں عظیم عظیم چیزوں میں کہ لپیٹ کر پانچ سو کلگرام کپا پٹی سے لپیٹ کر اس سے چھوٹے ہڈیوں سے

گھسی ہوئے کا چشمہ آبیانہ کے ہر گوشہ کے ساتھ ایک ہلکا سا شیشہ رکھنا کہ اس سے اجڑی ہوئی ہوا کو دھونے سے

دور رکھ کر ہر گز سوجے اور اکل تھلے سمیٹا کر پانچ سو کلگرام کپا پٹی سے لپیٹ کر اس سے چھوٹے ہڈیوں سے

گھسی ہوئی میٹھی اور مٹھی سے ڈنگ کی طرح چھوٹی چھوٹی ہی برنگی برنگی پتھر پھینک کر جڑی بڑی سے

سوزنا کہ کہ ہونے کے لئے نہیں ہوتی اس کے ساتھ ساتھ سیاہی چھوٹے چھوٹے چھوٹے سے بڑی ہونے کے لئے

کون ہے جو یقیناً ہر پکارنے والے کی دعا سنتا ہے اور اس کی مصیبت ٹال دیتا ہے؟ اور کون ہے جو تمہیں زمین کا خلیفہ بنا دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی رہتا ہے؟ تم لوگ کم ہی سوچتے ہو۔

اور وہ کون ہے جو خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں تم کو راستہ دکھاتا ہے اور کون اپنی رحمت کے لئے

پانی کی سڑیں بسا داتا ایک ہی علاقے میں کھاری پانی اگ اور ٹیٹھا پانی اگ لیکر جاتی ہیں۔ کھاری پانی کے سمندر تک میں بعض مقامات پر ٹیٹھے پانی کے چشمے رواں ہوتے ہیں اور ان کی دھار سمندر کے پانی سے اس طرح اگ ہوتی ہے کہ بحری مسافر اس میں سے پینے کے لیے پانی حاصل کر سکتے ہیں۔ تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، سورہ الفرقان، حاشیہ ۶۵)

۱۷۰ مشرکین جو اب خود اس بات کو جانتے اور مانتے تھے کہ مصیبت کو ٹالنے والا حقیقت میں اللہ ہی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید جگہ جگہ انہیں یاد دلاتا ہے کہ جب تم پر کوئی سختی آتا ہے تو تم خدای سے فرما دو کہ تمہیں ہو، مگر جب وہ وقت ٹل جاتا ہے تو خدا کے ساتھ دوسروں کو شریک کرنے لگتے ہو۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد اول صفحات ۵۲۹-۵۳۰، جلد دوم صفحات ۲۷۸-۲۷۹-۵۳۱۔ اور یہ بات صرف مشرکین عرب ہی تک محدود نہیں ہے۔ دنیا بھر کے مشرکین کا بالعموم یہی حال ہے حتیٰ کہ روس کے منکرین خدا جنہوں نے خدا پرستی کے خلاف ایک باقاعدہ ہم جلا رکھی ہے، ان پر بھی جب گزشتہ جنگِ عظیم میں جرمن فوجوں کا نزعِ سخت ہو گیا تو انہیں خدا کو پکارنے کی ضرورت محسوس ہو گئی تھی۔

حکمت اس کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ ایک نسل کے بعد دوسری نسل اور ایک قوم کے بعد دوسری قوم اٹھتا ہے۔ دوسرے یہ کہ قوم کو زمین میں تصرف اور فرمانروائی کے اختیارات عطا کرتا ہے۔

۱۷۱ یعنی جس نے ستاروں کے ذریعہ سے ایسا انتظام کر دیا ہے کہ تم رات کے اندھیرے میں بھی اپنا راستہ تلاش کر سکتے ہو۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکیمانہ تدبیروں میں سے ایک ہے کہ اس نے بحری اور بری سفروں میں انسان کی رہنمائی کے لیے وہ ذرائع پیدا کر دیئے ہیں جن سے وہ اپنی سمت، سفر، اور منزل مقصود کی طرف اپنی راہ متعین کرتا ہے۔ دن کے وقت زمین کی مختلف علامتیں اور آفتاب کے طلوع وغروب کی سمتیں

ہواؤں کو خوشخبری لیکر بھیجتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا خدا بھی رہے گا مگر اسے بہت بالا  
دبتر ہے اللہ اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

اور وہ کون ہے جو خلق کی ابتدا کرتا اور پھر اس کا اعادہ کرتا ہے؟ اور کون تم کو آسمان اور زمین

اس کی مدد کرتی ہیں اور تاریک راتوں میں تارے اس کی رہنمائی کرتے ہیں۔ سورہ نحل میں ان سب کو اللہ تعالیٰ کے  
احسانات میں شمار کیا گیا ہے، وَعَلَّمَاتٍ وَبِالْحَجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ (سورہ ۲)

۱۹۹ رحمت سے مراد ہے بارش جس کے آنے سے پہلے سہاٹیں اس کی آمد آمد کی خبر دے دیتی ہیں۔

۲۰۰ یہ سادہ سی بات ہیں کہ ایک جملے میں بیان کر دیا گیا ہے اپنے اندر ایسی تفصیلات رکھتی ہے کہ آدمی

ان کی گہرائی میں متنبی فقط اتنا جانتا ہے اتنے ہی وجود اللہ اور وحدت اللہ کے شواہد اسے ملتے چلے جاتے  
ہیں۔ پہلے تو بجائے خود تخلیق ہی کو دیکھیے۔ انسان کا علم آج تک یہ لازم نہیں پاسکا ہے کہ زندگی کیسے اور

کہاں سے آتی ہے۔ اس وقت تک مسلم سائنسٹک حقیقت یہی ہے کہ بے جان مادے کی کھن ترکیب سے  
خود بخود جان پیدا نہیں ہو سکتی۔ حیات کی پیدائش کے لیے جتنے عوامل مددگار ہیں ان سب کا ٹھیک تناسب کے

ساتھ بالکل اتفاقاً جمع ہو کر زندگی کا آپ سے آپ وجود میں آ جانا دوسروں کا ایک غیر علمی مفروضہ تو ضرور  
ہے، لیکن اگر ریاضی کے قانونِ محبت و اتفاق (LAW OF CHANCE) کو اس پر منطبق کیا جائے تو اس

کے وقوع کا امکان صفر سے زیادہ نہیں نکلتا۔ اب تک تجربی طریقے پر سائنس کے محمولوں (LABORATORY  
RIEY) میں بے جان مادے سے جاندار مادہ پیدا کرنے کی کوششیں بھی کی گئی ہیں، تمام ممکن تدابیر

استعمال کرنے کے باوجود سب نطفی ناکام ہو چکی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ جو چیز پیدا کی جاسکتی ہے وہ صرف  
دو مادہ ہے جسے اصطلاح میں (D.N.A) کہا جاتا ہے۔ یہ وہ مادہ ہے جو زندہ خلیوں میں پایا جاتا

ہے، جو ہر حیات ہے، مگر خود جاندار نہیں ہے۔ زندگی اب بھی بجائے خود ایک معجزہ ہی ہے جس کی کوئی  
علمی توجیہ اس کے سوا نہیں کی جاسکتی ہے کہ یہ ایک خالق کے امر و ارادہ اور منصوبے کا نتیجہ ہے۔

اس کے بعد آگے دیکھیے۔ زندگی محض ایک مجرد صورت میں نہیں بلکہ بے شمار متنوع صورتوں میں پائی

جاتی ہے۔ اس وقت تک روئے زمین پر حیوانات کی تقریباً ۱۰ لاکھ اور نباتات کی تقریباً دو لاکھ انواع کا

رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی دان کاموں میں حصہ دار ہے؟ کہو کہ لاؤ پتہ چلا ہے۔ یہ لکھو کھا انواع اپنی ساخت اور نوعی خصوصیات میں ایک دوسرے سے ایسا واضح اور قطعی امتیاز رکھتی ہیں، اور قدیم ترین معلوم زمانے سے اپنی اپنی صورت نوعیہ کو اس طرح مسلسل بترتیب رکھتی چلی آرہی ہیں کہ ایک خدا کے تخلیقی منصوبے (DESIGN) کے سوا زندگی کے اس عظیم تنوع کی کوئی اور معتقل توجیہ کر دینا کسی ڈارون کے بس کی بات نہیں ہے۔ آج تک کہیں بھی دونوںوں کے درمیان کی کوئی ایک کڑی بھی نہیں مل سکی ہے جو ایک نوع کی ساخت اور خصوصیات کا ڈھانچہ توڑ کر نکل آئی ہو اور ابھی دوسری نوع کی ساخت اور خصوصیات تک پہنچنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہی ہو۔ متحجرات (FOSSILS) کا پورا ریکارڈ اس کی نظر سے خالی ہے اور موجودہ حیوانات میں بھی یہ خفنیٰ مشکل کہیں نہیں ملا ہے۔ آج تک کسی نوع کا جو فرد بھی ملا ہے، اپنی پوری صورت نوعیہ کے ساتھ ہی ملا ہے، اور ہر وہ افسانہ جو کسی مفقود کڑی کے بہم پہنچ جانے کا وقتاً فوقتاً سنا دیا جاتا ہے، تھوڑی مدت بعد حقائق اس کی ساری پھینک نکال دیتے ہیں۔ اس وقت تک یہ حقیقت اپنی جگہ بالکل اہل ہے کہ ایک صالح حکیم، ایک خالق الباری المصنوع ہی نے زندگی کو یہ لاکھوں متنوع صورتیں عطا کی ہیں۔

یہ تو ہے اقتداءئے خلق کا معاملہ۔ اب ذرا اعادہ مخلق پر غور کیجیے۔ خالق نے ہر نوع حیوانی و نباتی کی ساخت و ترکیب میں وہ حیرت انگیز نظام العمل MECHANISM رکھ دیا ہے جو اس کے لیے شمار افراد میں سے بے حد حساب نسل ٹھیک اسی کی صورت نوعیہ اور مزاج و خصوصیات کے ساتھ نکالتا چلا جاتا ہے اور کبھی جموں ٹوں بھی ان کو ڈبا کر ڈر چھوٹے چھوٹے کارخانوں میں یہ بھول چوک نہیں ہوتی کہ ایک نوع کا کوئی کارخانہ تھائل کسی دوسری نوع کا ایک نمونہ نکال کر بھینک دے۔ جدید علم ناسل (GENETICS) کے مشاہدات اس معاملے میں حیرت انگیز حقائق پیش کرتے ہیں۔ ہر پودے میں یہ صلاحیت رکھی گئی ہے کہ اپنی نوع کا سلسلہ آگے کی نسلوں تک جاری رکھنے کا ایسا مکمل انتظام کرے جس سے آنے والی نسل اس کی نوع کی تمام امتیازی خصوصیات کی حامل ہو اور اس کا ہر فرد دوسری تمام انواع کے افراد سے اپنی صورت نوعیہ میں تمیز ہو۔ یہ قبائے نوع اور ناسل کا سامان ہر پودے

اپنی دلیل اگر تمہیں سچے لگے۔

کے ایک خلیے CELL کے ایک حصہ میں ہوتا ہے جسے مشکل انتہائی طاقت ور خوردبین سے دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ چھوٹا سا انجینئر لہری صحت کے ساتھ پورے کے سارے نیشنو دنیا کو تھا اسی راستے پر ڈالتا ہے جو اس کی اپنی صورتہ نوعیہ کا راستہ ہے۔ اسی کی بدولت گیہوں کے ایک دانہ سے آج تک جتنے پودے بھی دنیا میں کہیں پیدا ہوئے ہیں انہوں نے گیہوں ہی پیدا کیا ہے، کسی آب و ہوا اور کسی ماحول میں یہ حادثہ کبھی رونما نہیں ہوتا کہ دانہ گندم کی نسل سے کوئی ایک ہی دانہ جو پیدا ہو جاتا۔ ایسا ہی معاملہ حیوانات اور انسان کا بھی ہے کہ ان میں سے کسی کی تخلیق بھی بس ایک دفعہ ہو کر نہیں رہ گئی ہے بلکہ ناقابل تصور وسیع پیمانے پر ہر طرف اعادہ خلق کا ایک عظیم کارخانہ چل رہا ہے جو ہر نوع کے افراد سے پیہم اسی نوع کے بے شمار افراد وجود میں لانا چلا جا رہا ہے۔ اگر کوئی شخص تولد و تناسل کے اس خورد بینی تخم کو دیکھے جو تمام نوعی امتیازات اور موروثی خصوصیات کو اپنے ذرا سے وجود کے بھی محض ایک حصے میں لیے ہوئے ہوتا ہے، اور پھر اس انتہائی نازک اور پیچیدہ عضوی نظام اور ان بے انتہا لطیف و پُرپیچ عملیات (PROCESSES) کو دیکھے جن کی مدد سے ہر نوع کے ہر فرد کا تخم تناسل اسی نوع کا فرد وجود میں لاتا ہے، تو وہ ایک لمحے کے لیے بھی یہ تصور نہیں کر سکتا کہ ایسا نازک اور پیچیدہ نظام عمل کبھی خود بخود بن سکتا ہے اور پھر مختلف انواع کے اربوں ملین افراد میں آپ سے آپ ٹھیک چلتا بھی رہ سکتا ہے۔ یہ چیز نہ صرف اپنی انہماک کے لیے ایک صنایع حکیم جانتی ہے، بلکہ ہر آن اپنے درست طریقہ پر چلتے رہنے کے لیے بھی ایک ناظم و مدبر اور ایک جی و قیوم کی طالب ہے جو ایک لحظہ کے لیے بھی ان کارخانوں کی نگرانی و رہنمائی سے غافل نہ ہو۔

یہ تعاقب ایک دوسرے کے انکار خدا کی بھی اسی طرح چرکاٹ دیتے ہیں جس طرح ایک مشرک کے شرک کی۔ کون احمق یہ گمان کر سکتا ہے کہ خدائی کے اس کام میں کوئی فرشتہ یا جن یا نبی یا ولی ذرہ برابر بھی کوئی حصہ رکھتا ہے۔ اور کون صاحب غفل آدمی ناصب سے پاک ہو کر یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ سارا کارخانہ خلق و اعادہ خلق اس کمال حکمت و نظم کے ساتھ اتفاقاً شروع ہوا اور آپ سے آپ چلے جا رہا ہے۔

## (بقیہ حواشی صفحہ سابق)

اسے رزق دینے کا معاملہ بھی اتنا سادہ نہیں ہے جتنا سرسری طور پر ان مختصر سے الفاظ کو پڑھ کر کوئی شخص محسوس کرتا ہے۔ اس زمین پر لاکھوں انواع حیوانات کی اور لاکھوں ہی نباتات کی پائی جاتی ہیں جن میں سے ہر ایک کے اربوں افراد موجود ہیں، اور ہر ایک کی غذائی ضروریات الگ ہیں۔ خالق نے ان میں سے ہر نوع کی غذا کا سامان اس کثرت سے اور ہر ایک کی دست رس کے اس قدر قریب ہیام کیا ہے کہ کسی نوع کے افراد بھی یہاں غذا پانے سے محروم نہیں رہ جاتے۔ پھر اس انتظام میں زمین اور آسمان کی اتنی مختلف توہین مل جیل کہ کام کرتی ہیں جن کا شمار مشکل ہے۔ گرمی، روشنی، ہوا، پانی اور زمین کے مختلف الاتسام مادوں کے درمیان اگر ٹھیک تناسب کے ساتھ تعاون نہ ہو تو غذا کا ایک ذرہ بھی وجود میں نہیں آسکتا۔

کون شخص تصور کر سکتا ہے کہ یہ کلیانہ انتظام ایک مدبر کی تدبیر اور سوچے سمجھے منصوبے کے بغیر یونہی اتفاقاً ہو سکتا تھا؟ اور کون اپنے ہوش و حواس میں رہتے ہوئے یہ خیال کر سکتا ہے کہ اس انتظام میں کسی جن یا فرشتے یا کسی بزرگ کی مدد کا کوئی دخل ہے؟

۲۔ یعنی یا تو اس بات پر دلیل لاؤ کہ ان کاموں میں ذاتی کوئی اور بھی شریک ہے، یا نہیں تو پھر کسی معقول دلیل سے یہی بات سمجھا دو کہ یہ سارے کام تو ہوں صرف ایک اللہ کے مگر بندگی و عبادت کا حق پہنچے اس کے سوا کسی اور کو، یا اس کے ساتھ کسی اور کو بھی۔